مزارعت کی شرعی حیثیت

محمد طاسین

(۱)

مزارعت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ معاملہ شریعت اسلامیہ کی رو سے بنیادی طور پر ایک جائز اور مشروع معاملہ ہے یا ناجائز اور ممنوع معاملہ؟ زیر نظر مضمون کا مقصد اسی مسئلہ سے بحث کرنا اور علمی و تحقیقی انداز سے اس کے مالھا و ماعلیھا کو نکھارنا اور سامنے لانا ہے۔

مباحث کی ترتیب یہ رہے گی: مزارعت کی لغوی تحقیق، مزارعت کی عرفی حقیقت، مزارعت کی فقہی تعریف، مزارعت کی شرعی حیثیت قرآن حکیم کی روشنی میں، احادیث نبویہ کی روشنی میں، آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں، آئمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں عقلی و قیاسی دلائل کی روشنی میں اور آخر میں مزارعت اپنے عملی اثرات و نتائج کی روشنی میں۔

چونکہ یہ مسئلہ صدیوں سے ایک نزاعی و اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے اور اس پر موافق و مخالف بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، متفرق مضامین کی شکل میں بھی اور مستقل کتابوں اور کتابچوں کی شکل میں بھی، لہذا میری یہ کوشش ہوگی کہ بحث اس انداز سے کی جائے کہ اختلاف دور ہوسکے اور حقیقت حال زیادہ سے زیادہ واضح ہوکر سامنے آئے، بنابریں اس مضمون کا طویل ہوجانا ایک لازمی امر ہے، امید کہ قارئین کرام صبر و تحمل سے کام لیں گے اور پورے مضمون کو پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم فرمائیں گے!

مزارعت کی لغوی تحقیق:

لفظ مزارعت ثلاثی مزیدفیہ کے باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور اس کا

مادۂ مجرد یا زراعت ہے جس کے معنی زمین کو بونے اور کاشت کرنے کے معنی یعنی کاشت کاری، یا زرع ہے جو تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے: اول انبات بمعنی اگانا، دوم طرح البذر فی الارض، بمعنی زمین میں تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا، سوم نبات کل شیٔ بمعنی، ہرشے کی اگی ہوئی کھیتی، چنانچہ جب لفظ زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو اس وقت پہلامعنی مراد ہوتا ہے یعنی اگانا، کیونکہ کسی شے کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور جب اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو دوسرا معنی مراد ہوتا ہے یعنی تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا، کیونکہ یہ کام انسان ہی کرتا ہے، اور جب اس کی جمع زروع ہو تو اس سے مراد تیسرا معنی ہوتا ہے یعنی اگی ہوئی کھیتی، کیونکہ وہ مختلف اور متعدد چیزوں کی ہوتی ہے مثلاً گیہوں کی، جو کی اور دھان وغیرہ کی کھیتی، پھر غور سے دیکھا جائے تو ان تین معنوں کے درمیان سبب و مسبب کا تعلق ہے اور ایک کے سبب سے دوسرا وجود میں آتا ہے مثلاً تخم ریزی سبب ہے کھیتی اگنے کا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فعل اگانا سبب ہے نباتات کے پیدا ہونے کا، پھر چونکہ باب مفاعلة کی خاصیت، مشارکت ہے لہذا مزارعت کے معنے ہوئے زراعت یا زرع میں دو شخصیتوں کا شرکت کرنا اور شریک ہونا، اور ظاہر ہے کہ مالک زمین اور کاشت کار کے درمیان جو معاملہ طے پاتا ہے وہ زراعت میں اشتراک کا معاملہ ہوتا ہے۔

عربی زبان میں مزارعت کے مترادف اور ہم معنی الفاظ چند اور بھی ہیں جیسے مخابرة، الخبر، محاقلة، مؤاکرہ اور القراح لیکن مخابرہ ان میں سے زیادہ معروف اور کثیرالاستعمال ہے بلکہ مدینہ میں مزارعت کی بجائے مخابرة کا استعمال عام تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس کو لغت اہل مدینہ لکھا ہے، لہذا مناسب ہے کہ لفظ مخابرہ اور محاقلہ کی بھی کچھ تشریح پیش کی جائے کیونکہ احادیث نبویہ میں یہ دونوں لفظ زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔

مخابرہ کی تشریح :

مخابرہ بھی مزارعت کی طرح باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادۂ مجرد یا خبیر ہے جس کے معنی کھیتی اور کاشتکاری کے ہیں، یا خبرۃ ہے جس کے معنے حصہ و بخرہ ہیں، یا خبار بمعنے نرم زمین ہے، یا الخبر بمعنے اگی ہوئی کھیتی ہے، غور سے دیکھا جائے تو یہ سب معنے اس معاملہ میں تشارکت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو مالک زمین اور کاشتکار کے مابین طے پاتا ہے، اکثر علماء عربیت کے نزدیک مزارعت اور مخابرت میں کچھ فرق نہیں دونوں ہر لحاظ سے ایک ہیں البتہ بعض کے نزدیک صرف اتنا فرق ہے کہ اگر تخم مالک زمین کی طرف سے ہو تو مخابرت ورنہ مزارعت ہے، بعض اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ مخابرت نام ہے اس معاملہ کا جو فتح خیبر کے بعد مسلمانوں اور یہود خیبر کے درمیان طے پایا تھا، اس قول کے مطابق مخابرت، لفظ خیبر سے مشتق ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے ،

محاقلہ کی تشریح :

محاقلہ بھی باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا اصل مادہ حقل بمعنے سرسبز کھیتی ہے یا حقل بمعنے کھیت اور زرعی زمین ہے، جو معاملہ مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان پیداوار کے حصول پر طے پاتا ہے چونکہ اس کی بنیاد کھیت اور کھیتی پر ہوتی ہے، لہذا اس کو محاقلت سے تعبیر کرنا حقیقت حال کی صحیح تعبیر ہے، محاقلت کے مصداق کے متعلق ائمہ لغت کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک جو معاملہ مزارعت کا مصداق ہے وہی محاقلت کا بھی مصداق ہے لہذا دونوں مترادف ہیں، یہی قول آئمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے جیسا کہ المبسوط السرخسی (ص ۱۰ ج ۲۳) اور کتاب الام للشافعی (ص ۲۰۰ ج ۷) میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اور بعض کے نزدیک محاقلت عام اور مزارعت خاص ہے، محاقلت کا اطلاق

جس طرح مزارعت پر ہوتا ہے اس طرح تین دوسرے معاملات پر بھی ہوتا ہے ایک یہ کہ گیہوں کو زمین کے بدلے کرائے پر لینا دینا، دوم یہ کہ پکنے اور تیار ہونے سے پہلے کھیتی کو فروخت کردینا، سوم یہ کہ جو گیہوں بالی اور خوشے کے اندر ہوں ان کو صاف گیہوں کے عوض اندازے سے بیچ ڈالنا، بعض احادیث سے بھی محاقلت کے یہ معنے مفہوم ہوتے ہیں -

مزارعت کی عرفی حقیقت :

ظہور اسلام کے وقت، نہ صرف یہ کہ عرب میں بلکہ پوری دنیا میں مزارعت کا عام رواج تھا لہذا ہر جگہ یہ معاملہ متعارف اور جانا پہچانا تھا، عملی طور پر گو اس کی مختلف شکلیں تھیں لیکن سب میں ایک چیز قدر مشترک تھی وہ یہ کہ مالک زمین بغیر کسی محنت و مشقت کے پیداوار کے ایک حصے کا حقدار قرار پاتا تھا اور یہ حصہ مختلف حالات میں مختلف ہوتا تھا، بعض حالات میں کاشتکار کے حصہ کے برابر بعض میں اس سے کم اور بعض میں اس سے زیادہ اس کمی و زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ یہ معاملہ مختلف شکلوں میں طے پاتا تھا مثلاً ایک شکل یہ کہ مالک زمین کی طرف سے صرف زمین ہوتی تھی اور باقی تمام چیزیں جیسے بیج، کھاد، ہل، بیل اور محنت کاشتکار کی طرف سے ہوتی تھیں، دوسری شکل یہ کہ کاشتکار کی طرف سے صرف محنت و مشقت ہوتی تھی اور باقی سب اشیاء مالک زمین کی طرف سے ہوتی تھیں، تیسری شکل یہ کہ مالک زمین کی طرف سے زمین اور بیج اور دیگر تمام اشیاء کسان کی طرف سے ہوتی تھیں، چوتھی شکل یہ کہ زمین اور بیل مالک کی طرف سے اور بقیہ تمام چیزیں کاشتکار کے ذمہ ہوتی تھیں، لہذا ضروری تھا کہ ان مختلف شکلوں میں مقررہ حصوں کا تناسب مختلف ہو، چنانچہ دوسرے ممالک کی طرح عرب میں بھی یہ معاملہ مختلف شکلوں میں رائج تھا روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض شکلوں میں پیداوار کا نصف حصہ مالک زمین کا اور نصف

حصہ کاشتکار کا ہوتا تھا اور بعض میں ایک کا ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی، بعض میں ایک کا ایک چوتھائی اور دوسرے کا تین چوتھائی ہوتا تھا اور کچھ شکلیں ایسی بھی تھیں کہ مالک زمین کے ایک اچھے حصے کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کرلیتا تھا یعنی اس خاص حصے میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ اس کا اور باقی کاشتکار کا ہوگا جیسے کنویں کے اردگرد یا نالیوں کے کنارے کی پیداوار اس کے لئے اور باقی حصے کی کاشتکار کے لئے ہوگی، بعض صورتوں میں مالک اپنے لئے مقررہ حصہ کے ساتھ گنڈیاں وغیرہ لینا بھی طے کرتا تھا، اور بعض صورتوں میں یہ بھی طے پاتا تھا کہ کاشتکار، مالک زمین کو متعین مقدار میں غلہ یا نقدی ادا کرے گا، اور یہ کہ مزارعت اور کراء الارض کی یہ مختلف اور متعدد شکلیں اسلام سے پہلے خود مدینہ منورہ میں پائی جاتی تھیں۔

مزارعت کی فقہی تعریف :

واضح رہے کہ لفظ مزارعت ان الفاظ میں سے نہیں جن کا ایک معنی و مفہوم اسلام سے پہلے مشہور تھا اور دوسرا اسلام نے تجویز کیا اور متعین کیا تھا جیسے صلوۃ، زکاۃ، اور صوم وغیرہ بلکہ مزارعت ان الفاظ میں سے ہے جن کو اسلام نے ان کے سابقہ معنوں پر بعینہ برقرار رکھا اور اس کے متعلق اپنے احکام دئیے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت اور فقہائے اسلام نے ان کے سابقہ معنوں پر بعینہ برقرار رکھا اور اس کے متعلق اپنے احکام دئیے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت اور فقہائے اسلام نے کتب فقہ میں مزارعت کی جو تعریفیں پیش فرمائی ہیں ان کا مفہوم و مطلب بالکل وہی ہے جو عرف عام میں مشہور و معروف تھا، مثال کے طور پر چند تعریفیں ملاحظہ فرمائیے :

المزارعة هي عقد على الزرع ببعض الخارج : مزارعت نام ہے اس معاہدہ

کا جو کھیتی کی پیداوار کے ایک حصہ پر طے پاتا ہے، یعنی جس کی بنیاد کھیت اور کھیتی ہوتی ہے اور جس میں ہر فریق کھیت سے پیدا ہونے والے غلہ وغیرہ کے بعض حصے کا حقدار قرار پاتا ہے، یہ تعریف فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتابوں میں بیان کی گئی ہے جیسے ھدایة، بدائع الصنائع اور الاختیار وغیرہ میں فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ میں مزارعة کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

المزارعة دفع الارض الی من یزرعها و عمل علیها والزرع بینهما ص ۵۸۱-ج ۵-	مزارعت کی تعریف ہے دوسرے کو اس معاهدے پر زمین دینا کہ وہ اس کو بوئے گا اور دیگر کام کرے گا اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی-

فقہ شافعی کی بنیادی کتاب جس کا نام الام للشافعی ہے اس میں مزارعت مخابرت اور محاقلت کے متعلق لکھا ہے:

قال الشافعی اذا دفع الرجل الی الرجل ارضا بیضاء علی ان یزرعها المدفوعة الیه، فما اخرج الله منها من شیئی فله منه جزء من الاجزاء فهذه المحاقلة و المخابرة والمزارعة ص ۱۰۱- ج ۷-	امام شافعی نے فرمایا جب ایک شخص دوسرے کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ دوسرا زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا، تو اس معاملہ کا نام محاقلہ مخابرة اور مزارعت ہے-

اس عبارت سے جہاں مزارعت کی تعریف ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مزارعت مخابرت اور محاقلت تینوں ایک چیز ہیں -

مزارعت کی شرعی حیثیت :

جیسا کہ اس مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں اصل مقصد، مزارعت کی شرعی حیثیت سے بحث کرنا اور یہ بتلانا ہے کہ شریعت اسلامی کی رو سے اس معاملے کا حکم کیا ہے بنیادی طور پر یہ جائز اور درست معاملہ ہے یا ناجائز و نادرست معاملہ ؟ لیکن اس بحث و تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے شریعت اسلامی کے حقیقی ماخذ اور اصل سرچشمے یعنی قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اس بارے میں کیا ہدایت اور روشنی دیتا ہے ۔

مزارعت کی شرعی حیثیت قرآن حکیم کی روشنی میں :

اس بحث کے آغاز میں ایک اصولی بات کا جاننا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کے متعلق ہمارا یہ دعوی کہ وہ انسانی ہدایت کے لئے ایک جامع اور مکمل کتاب ہے اس کا مطلب یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس میں حیات انسانی کے ہرہر جزوی مسئلہ کے لئے الگ الگ جزوی و تفصیلی ہدایت موجود ہے اور ہر معاملہ سے متعلق جداگانہ طور پر جواز و عدم جواز کا حکم مذکور ہے کیونکہ یہ بداهةً غلط اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ حیات انسانی کے جزوی مسائل بے شمار اور لامتناہی ہیں، کوئی کتاب ان کا احاطہ نہیں کرسکتی خواہ وہ سینکڑوں جلدوں ہی میں کیوں نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ اس میں حیات انسانی کے ہرہر شعبہ سے متعلق ایسے اصولی اور کلی تصورات بتمام و کمال موجود ہیں جن میں ہرہر جزوی مسئلہ کے لئے عمومی اور اجمالی ہدایت پائی جاتی ہے اور اہل نظر، غور و فکر کے ذریعے اس کو سمجھ سکتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن حکیم کے متعلق ہمارا یہ دعوی کہ اس میں حیات انسانی کے ہرہر شعبہ سے متعلق اصولی و کلی تصورات بتمام و کمال موجود ہیں جو

زندگی کے تمام جزوی مسائل پر حاوی ہیں اور جن سے ہرہر جزوی مسئلہ کے لئے جزوی حکم اخذ کیا جاسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں وہ اصول و کلیات مجرد اور مستقل شکل میں مذکور ہیں جس شکل میں وہ انسانوں کی تصنیف کردہ قانون وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن کریم میں وہ اصول و کلیات الگ اور ان کی جزوی مثالیں الگ نہیں بلکہ ان اصول و کلیات کو بعض مشہور و معروف جزئیات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اصول و کلیات کو سمجھانے کا یہ طریقہ فطری اور عام فہم ہے اور اس میں بھٹکنے کا امکان کم ہے، اس طریقہ کی کچھ وضاحت یہ ہے کہ قرآن حکیم جب ایک نوع کے بہت سے جزوی مسائل کے لئے کوئی ایجابی یا امتناعی حکم بیان کرنا ہے تو ان میں سے ایک زیادہ مشہور اور جانے پہچانے جزوی مسئلہ کو ذکر کر کے اس کے متعلق جواز و عدم جواز کا وہ حکم دیتا ہے، گویا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ جزوی مسئلہ جس کو تم خوب جانتے پہچانتے ہو جو حکم اس کا ہے وہی ہر اس دوسرے مسئلہ کا ہے جو نوعیت میں اس جزوی مسئلہ سے ملتا جلتا ہو یعنی جو اپنی حقیقت و ماہیت، روح اور غرض اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے جانے پہچانے مسئلہ کے مماثل اور مشابہ ہو، لہذا وہ اس طریقہ سے انسانی عقل کے لئے غور و فکر اور قیاس و اجتہاد کا وسیع میدان فراہم کرتا ہے، اس طریقہ میں غلطی کا امکان اس لئے کم ہوتا ہے کہ اس میں ایک معلوم کے ذریعہ دوسرے مجہول کا علم حاصل کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ طریقہ مانوس اور عام فہم بھی ہے اس لئے کہ ہر انسان اپنی زندگی کے امور میں کسی نہ کسی حد تک اس سے ضرور کام لیتا ہے۔

مزارعت اور قرآن مجید:

معاملہ مزارعت کے بارے میں جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے

هیں تو اس میں ہمیں جزوی صراحت کے ساتھ ایسی کوئی نص نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز، البتہ اس میں عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق ایک اصولی اور کلی تصور ضرور ملتا ہے جس سے ایک معاملے کی شرعی حیثیت پر بھی اجمالی روشنی پڑتی ہے اور غور کرنے سے اس کا حکم معلوم ہوجاتا ہے، اور وہ اصولی و کلی تصور یہ ہے :

کہ وہ تمام معاشی معاملات حلال اور جائز ہیں جو اپنی ماہیت و حقیقت اپنی روح و غرض اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع سے ملتے جلتے ہیں، اور وہ جملہ معاشی معاملات حرام اور ناجائز ہیں جو اپنی بناوٹ اور ساخت اور اپنے اثرات و نتائج میں معاملہ ربوا کے مماثل ہیں ـ

اور یہ تصور قرآن حکیم کی آیت احل اللہ البیع و حرم الربوا، میں مذکورہ بالا اسلوب سے بیان کیا گیا ہے، اس آیت میں اگرچہ بظاہر معاملہ بیع کے حلال اور معاملہ ربوا کے حرام ہونے کا شرعی حکم ہے لیکن حلال و جائز ہونے کا حکم معاملہ بیع کے ساتھ اور حرام و ناجائز ہونے کا حکم معاملہ ربوا کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ہر اس معاملہ کے لئے عام ہے جو معاملہ بیع اور معاملہ ربوا کے مماثل اور مشابہ ہو اور اس میں وہ علت پائی جاتی ہو جس کی وجہ سے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربوا کو حرام قرار دیا گیا ہے ،

معاملہ بیع کی حقیقت و ماہیت :

معاملہ بیع کی عرفی حقیقت جس کو کاروبار سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے یہ ہے کہ ایک تاجر اپنے سرمایہ کے بدلے کچھ تجارتی اشیاء خریدتا اور پھر منافع کے ساتھ ان کو بیچنے کی کوشش کرتا ہے گویا وہ اپنے سرمایہ کے ساتھ دماغی و جسمانی محنت کرکے نفع کماتا ہے اس کی دماغی محنت وہ ہوتی ہے جو وہ کوئی چیز خریدنے سے پہلے یہ سوچنے میں صرف کرتا

ہے کہ اس کو کیا چیز کہاں سے خریدنی اور کہاں بیچنی چاہئے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو، اور جسمانی محنت وہ ہوتی ہے جو ایک چیز کو ایک جگہ سے خریدنے اور دوسری جگہ منتقل کرنے میں برداشت کرتا ہے، لہذا اس معاملے میں تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور نفع جو جو زائد مال ملتا ہے اس کے عوض تاجر کی طرف سے دماغی و جسمانی محنت و مشقت موجود ہوتی ہے جو پیدائش دولت کا ایک مسلمہ عامل اور متفقہ سبب ہے یعنی جس کے عامل پیداوار ہونے پر، اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت تینوں متفق ہیں جبکہ سرمائے کے عامل پیداوار ہونے نہ ہونے میں ان کا اختلاف ہے، لہذا معاملہ بیع و شراء میں ایک تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور منافع جو زائد مال ملتا ہے وہ چونکہ اس کی محنت و کاوش سے پیداشدہ ہوتا ہے لہذا اس کا حق ہوتا ہے، گویا وہ اپنا جائز حق لیتا ہے بنابریں قرآن حکیم نے اس کو حلال اور جائز ٹھہرایا ہے۔

معاملہ بیع کی اس مذکورہ حقیقت کے پیش نظر ہر وہ معاشی معاملہ اس کے مماثل اور مشابہ قرار پاتا ہے جس میں نفع کے عوض، نفع حاصل کرنے والے کی طرف سے کسی نہ کسی قسم کی مفید محنت و مشقت موجود ہوتی ہے۔

معاملہ ربوا کی حقیقت :

معاملہ ربوا اور سود کی حقیقت جو کاروباری حلقوں میں ایک عام اور جانی پہچانی چیز ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک فریق اپنا مال دوسرے کو بطور قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد یہ رقم خاص اضافے کے بعد ساتھ واپس کی جائے گی یا یہ کہ اس پر ماہوار یا سالانہ اتنی رقم مزید دینی پڑے گی ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں ایک فریق کا اصل سرمایہ بھی اس کے حق میں محفوظ رہتا ہے اور وہ کسی بغیر نفع بخش محنت و مشقت کے اس پر منافع لینے کا بھی حقدار بنتا ہے۔ لہذا ہر وہ معاشی معاملہ،

معاملہ ربوا کے مشابہ اور مماثل قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق بغیر کسی نفع آور محنت و مشقت کے، اور بغیر کوئی نقصان اور خسارہ برداشت کئے محض اس سرمائے کی بنا پر منافع کا حقدار ٹھہرتا ہے جو اس نے تحفظ کی ضمانت کے ساتھ دوسرے کو استعمال کے لئے دے رکھا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس قسم کے معاملات کو جو حرام و ناجائز ٹھہرایا ہے تو غور سے دیکھا جائے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سرمائے کو کسی شکل میں بھی پیدائش دولت کا عامل اور سبب نہیں تسلیم کرتا، کیونکہ حقیقت واقعہ کی رو سے یہ نظریہ بالکل غلط اور باطل ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے اس لئے کہ سرمایہ کسی شکل میں بھی کسی دولت کو پیدا نہیں کرتا، سرمایہ جب یونہی بیکار پڑا ہو یعنی کاروبار میں لگا ہوا نہ ہو تو یہ عام مشاہدہ ہے کہ کبھی بھی اس میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سی شکلوں میں وہ وقت گزرنے کے ساتھ فرسودہ اور قدر و قیمت میں کم ہوتا چلاجاتا ہے مثلاً اگر سرمایہ نقدی اور سونے چاندی وغیرہ کی شکل میں ہو تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تجوری میں پڑے پڑے اس کی مقدار اور تعداد میں کچھ اضافہ ہوگیا ہو، اور اگر وہ سرمایہ حیوانات و نباتات اور ان سے بنے ہوئے مختلف قسم کے ساز و سامان کی شکل میں ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ پڑے پڑے نہ صرف یہ کہ اس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی بلکہ کچھ وقت کے بعد اس میں کمی واقع ہونی شروع ہوجاتی ہے اور پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اس کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی، اسی طرح سرمایہ جب کسی کاروبار میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا، کاروبار میں منافع جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ صرف دماغی و جسمانی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے البتہ بعض صورتوں میں سرمایہ جزوی یا کلی طور پر تحلیل ہوتا ہے اور اس سے اس کی مالیت میں جتنی کمی واقع ہوتی ہے اس کے مطابق محنت سے حاصل ہونے والی دولت میں اضافہ

ہوجاتا ہے مثلاً ایک کاریگر کسی مشین کے ساتھ کام کرکے جو چیز پیدا کرتا ہے اس میں مشین کا حصہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ گھسنے سے اس کی مالیت جس قدر کمی واقع ہوتی ہے اسی قدر پیداشدہ مال میں اضافہ ہوجاتا ہے مثلاً اگر یومیہ اس مشین کی قیمت میں گھسنے سے پانچ روپے کی کمی ہوتی ہے تو حاصل ہونے والے دس روپے کے مال میں پانچ روپے کاریگر کی محنت سے پیدا ہوئے اور ان کے ساتھ پانچ روپے وہ شامل ہوگئے جو گھسنے سے مشین کی قیمت میں کم ہوئے لہذا یہ سمجھنا ایک دھوکہ اور بڑا مغالطہ ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے، بہرحال یہ ثابت ہوجانے کے بعد کہ صرف محنت ہی دولت کو پیدا کرتی ہے اور سرمایہ کسی شکل میں میں بھی دولت کو پیدا نہیں کرتا ربوا جیسے معاملات کا حرام و باطل ہونا بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے وہ اس طرح کہ اس قسم کے ربوی معاملات میں ایک فریق اپنے اصل سرمائے پر جو زائد مال لیتا ہے چونکہ اس کے بدلے میں اس کی طرف سے کوئی قابل لحاظ دماغی و جسمانی محنت و مشقت نہیں ہوتی اور نہ اس کو اس کے سرمایہ نے پیدا کیا ہوتا ہے لہذا وہ اس کا حقدار نہیں ہوتا، چنانچہ وہ جو کچھ زاید لیتا ہے وہ دوسرے فریق کا حق لیتا ہے لہذا وہ ظلم و حق تلفی کا ارتکاب کرتا ہے جو حرام و ناجائز ہے، گویا ظلم و حق تلفی کا عنصر سودی معاملات کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے لہذا قرآن حکیم نے ان کو حرام و باطل قرار دیا ہے،

علاوہ ازیں قرآن حکیم نے معاملات کی صحت کے لئے تراضی فریقین کو شرط ٹھہرایا ہے فرمایا:

یاایہاالذین آمنوا لاتاکلوا اموا لکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔

اے مسلمانو تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل و ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کے طریقہ سے اور باہمی رضامندی سے ہو۔

اس قرآنی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی معاملات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کی حقیقی رضامندی موجود ہو۔ اسی مفہوم کو ایک حدیث نبوی میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فرمایا:

لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ۔ کسی مسلمان کا مال لینا حلال اور جائز نہیں مگر یہ کہ وہ خود خوشدلی سے دے۔

اور چونکہ معاملہ بیع و شراء میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے خریدنے اور فروخت کرنے والا دونوں اپنی مرضی اور خوشی سے یہ معاملہ کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں ہر ایک کو اپنی چیز کے بدلے دوسری چیز ملتی ہے جو اس کی رضاء و خوشی کی دلیل ہوتی ہے لہذا قرآن حکیم نے اس معاملہ کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، بخلاف معاملہ ربوا اور سود کے کہ اس میں ایک فریق یعنی سود لینے والا تو اپنی مرضی و خوشی سے شریک ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کا اصل مال بھی اس کے لئے محفوظ رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو بطور سود کچھ زائد بھی ملتا ہے لیکن دوسرا فریق جو سود دیتا ہے حقیقی رضامندی کے ساتھ اس میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لئے اس چیز کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا جو وہ بطور سود ادا کرتا ہے، بلکہ اس مجبوری کے ساتھ شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنا سرمایہ موجود نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنا سرمایہ موجود ہو وہ دوسرے سے سود پر قرض کبھی نہیں لیتا لہذا معاملہ ربوا کو قرآن حکیم نے حرام و باطل ٹھہرایا ہے، گویا اس کے نزدیک ہر وہ معاشی معاملہ حرام و باطل ہے جس میں ایک فریق خوشی و رضا مندی سے اور دوسرا مجبوری سے شریک ہوتا ہے۔

اس کے بعد آئیے یہ دیکھیں کہ معاملہ مزارعت، بیع کی قسم کے معاملات میں آتا ہے یا ربوا کی قسم کے معاملات میں، چنانچہ اس تعین کے لئے جب

ہم معاملہ مزارعت کا بغور جائزہ لیتے ہیں اور اس کی ماہیت کا تجزیہ کرکے دیکھتے ہیں تو یہ معاملہ قطعی طور پر معاملہ ربوا کے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے، وہ اس طرح کہ اس معاملہ میں بھی ایک فریق کا سرمایہ جو بصورت زرعی زمین ہوتا ہے بہرحال اس کے لئے محفوظ رہتا ہے یعنی معاملہ ختم ہونے پر وہ زمین جب مالک کی طرف لوٹتی ہے تو عام طور پر اس کی مالیت اتنی اور قیمت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ معاملہ شروع کرتے وقت تھی مطلب یہ کہ زیر کاشت آنے سے زمین کی مالیت و قیمت میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوتی جس طرح کہ ایک مکان، فرنیچر اور مشین وغیرہ کی مالیت میں استعمال سے ہوجاتی ہے بلکہ بعض دفعہ زمین کی قیمت بڑھ جاتی ہے جب کاشتکار اس کو زیادہ محنت اور فنی مہارت سے آباد کرتا اور اس میں خوب کھاد وغیرہ ڈالتا ہے، اسی طرح اس معاملہ میں بھی ایک فریق یعنی زمین والا بغیر کسی مفید اور پیداوار محنت و مشقت کے پیداوار کے ایک حصہ کا مستحق قرار پاتا ہے، اور پھر ٹھیک اسی طریقے سے معاملہ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی کاشتکار، حقیقی رضامندی سے نہیں بلکہ اس مجبوری سے اس کو اختیار کرتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنی زمین نہیں ہوتی، مطلب یہ کہ جس کے پاس اپنی کافی زمین موجود ہو وہ مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتا کیونکہ پہلی صورت میں اس کو پوری کی پوری پیداوار ملتی ہے اور دوسری صورت میں اسکا ایک حصہ ملتا ہے، اور کون ہے جو رضاء و خوشی کے ساتھ پوری کے مقابلہ میں ادھوری کو اختیار کرتا ہے، نیز اثرات و نتائج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان میں بھی معاملہ ربوا اور معاملہ مزارعت مماثل نظر آتے ہیں، سود خوار اور زمیندار چونکہ دونوں بلا محنت و مشقت کے کھاتے اور مال جمع کرتے ہیں لہذا دونوں کے اندر ایک طرح کی اخلاقی اور معاشرتی برائیاں ظہور میں آتی ہیں اور معاشرہ کے توازن کو بگاڑتی ہیں، بہرحال ان دونوں

معاملوں کا مزاج ایک ہے لہذا دونوں سے ایک ہی نوعیت کے کوائف و حالات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ایک ہی قسم کے اثرات و نتائج وجود میں آتے ہیں کیونکہ حرام خوری کی خاصیت ایک ہی ہے اور ایک ہی ہوسکتی ہے ۔

غرضکہ ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو معاملہ مزارعت اپنی ماہیت، نوعیت اور خاصیت میں معاملہ ربوا کے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث نبویہ میں اس کو ربوا سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقت حال کی نہایت سچی تعبیر ہے، وہ حدیث نبوی یہ ہے :

عن ابن ابی نعم قال حدثنی رافع بن خدیج انه زرع ارضا فمر به النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقیها فسأله، لمن الزرع ولمن الارض فقال زرعی ببذری و عملی لی الشطر ولبنی فلان الشطر فقال اربیتما فرد الارض علی اهلها و خذ نفقتك۔

ص ۱۲۷ - ج ۲ سنن ابی داؤد

ابن ابی نعم سے روایت ہے کہا مجھ سے رافع بن خدیج نے حدیث بیان کی کہ اس نے ایک زمین کاشت کی، پس اس کے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جب کہ وہ اس کو سینچ رہا تھا آپ نے پوچھا کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ؟ تو میں نے جواب دیا کہ کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے پیداوار آدھی میری اور آدھی بنی فلاں کی ہوگی، اس پر حضور نے فرمایا تم دونوں ربوا میں مبتلا ہوئے، زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور تمہارا جو خرچہ ہوا ہے ان سے لے لو۔

اس حدیث میں اربیتما کا جو لفظ ہے وہ صاف بتلارہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مزارعت کا معاملہ اور ربوا کا معاملہ ایک جیسے

ہی اور دونوں کا ایک حکم ہے۔ اس چیز کی مزید وضاحت ایک اور حدیث نبوی ص سے بھی بہتر طور پر ہوتی ہے:

عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ قال لما نزلت الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من اللہ و رسولہ۔ ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ص ۲۸٦ ج ۲ المستدرک للحاکم۔

"ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا، کہا جب یہ آیت نازل ہوئی "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کو شیطان کے چھونے سے خبط ہوگیا ہو"، تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص مخابرت کو نہیں چھوڑتا اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے)۔"

اس حدیث نبوی ص سے نہایت واضح اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت و مزارعت کو ربوا کے مماثل قرار دیا ہے، اور یہ اس سیاق و سباق سے بھی ثابت ہوتا ہے جس میں آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی، یعنی تحریم ربوا کی آیات کے نزول کے فوراً بعد، اور ان خاص الفاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو آپ نے بطور تہدید استعمال فرمائے یعنی جو مخابرت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ میں مبتلا اور مشغول ہے، اور یہ تہدید و دھمکی بعینہ وہی ہے جو قرآن مجید میں ان لوگوں کے لئے ہے جو سودی لین دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں سودخواروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من … پس اگر تم سود کھانا نہ چھوڑو

اللہ و رسول ... چھوڑے تو اللہ اور اس کے ساتھ جنگ
کے لئے تیار ہوجاؤ

بتلائیے اس سے بڑھ کر ان دو معاملوں یعنی ربا اور مخابرت کے مابین مماثلت کی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے، یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مذکورہ حدیث مخابرت کے متعلق ہے مزارعت کے متعلق نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیچھے کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاچکا ہے کہ مزارعت اور مخابرت دونوں ایک ہی معاملے کے دو نام ہیں لہذا یہ مترادف اور ہم معنے الفاظ ہیں اور یہ کہ مدینہ منورہ میں خصوصیت کے ساتھ مزارعت کی بجائے لفظ مخابرت کا استعمال عام تھا، علاوہ ازیں بعض احادیث میں مخابرت کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ بعینہ' مزارعة کی حقیقت ہے، ذیل میں وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

عن زید بن ثابت قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المخابرة قلت ما المخابرة ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع، ص ۱۲۷ - ج ۲ ابوداؤد	حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہا کہ منع فرمایا رسول اللہ صلعم نے مخابرہ سے میں نے پوچھا، مخابرہ کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا زمین کا لینا نصف پیداوار پر یا تہائی یا چوتھائی پر۔

ہوسکتا ہے مخابرہ کی یہ تعریف زید بن ثابت کے پوچھنے پر رسول اللہ صلعم نے بیان فرمائی ہو یا شاگرد کے پوچھنے پر حضرت زید بن ثابت نے بیان فرمائی ہو بہر حال دونوں صورتوں میں ہمارے لئے حجت و دلیل ہے۔

واضح رہے کہ میں نے ان صفحات میں معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا اصولی اور کلی ضابطہ بیان کیا اور پھر اس کے تحت مزارعت کو ناجائز بتلایا ہے اس ضابطے کی رو سے مطلقاً مخابرت

بھی بالمباشرہ معاملات کے تحت آجاتا ہے کیونکہ اس میں بھی ایک فریق حقیقی رضامندی سے نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس کاروبار کے لئے اپنا سرمایہ موجود نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مضاربت اور ربا کے درمیان ایک خاص فرق ہے اور یہ وہ کہ مضاربت میں سرمائے والے کے لئے اس کے سرمائے کے تحفظ کی ضمانت نہیں ہوتی جبکہ ربوا میں اس کی ضمانت ہوتی ہے چنانچہ مضاربت میں اگر اصل سرمائے میں نقصان و خسارہ واقع ہوجائے تو وہ تمام تر سرمائے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے محنت کرنے والا اس نقصان میں شریک نہیں ہوتا اور نفع ہوجائے تو ضروری اخراجات نکالنے کے بعد دونوں اس میں حصہ دار ٹھہرتے ہیں بخلاف ربوا کے کہ اس میں بہرحال سرمائے والے کے لئے اس کا سرمایہ بھی محفوظ رہتا ہے اور اس پر وہ بطور سود زائد شے کا بھی حقدار ٹھہرتا ہے، لہذا مضاربت میں رب المال یعنی سرمائے والا جس ایثار کے لئے آمادہ ہوتا ہے اس کے لئے سود خوار آمادہ نہیں ہوتا بنابریں مضاربت کا وہ حکم نہیں جو ربوا کا ہے۔